بیاد مجدد دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان قادری قدس سرہٗ

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

مئی 2023ء شوال المکرم 1444ھ

★ بزرگوں سے فیض کیسے ملتا ہے؟ ★ فضائل توبہ

★ ہاؤسنگ اسکیموں کے متعلق اہم شرعی مسائل

★ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنا کیسا؟

★ خطبا و واعظین حضرات متوجہ ہوں!

★ نسبت ★ قرآن کے بنیادی علوم پانچ ہیں

★ ثعلبہ کا مال اسے لے ڈوبا

★ فتاویٰ رضویہ اور فقہی اختلاف

★ مسلک اعلیحضرت اور فقہی مسائل



اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی و تحقیقی ترجمان

ماہنامہ جہانِ رضا لاہور

شمارہ ۲۷۴/ مئی ۲۰۲۳ء/ شوال المکرم ۱۴۴۴ھ جلد ۳۱

بیاد مجدد دین و ملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

مدیر اعلیٰ: محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ
معاون مدیر: سید محمد سرفراز قادری رضوی



فہرست

خط و کتابت ترسیل زر اور ملنے کا پتا

مسلم کتابوی
داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
0321-4477511
042-37225605
Email:muslimkitabevi@gmail.com

زر تعاون
فی پرچہ -/50 روپے
سالانہ چندہ بذریعہ ڈاک -/800

بزرگوں سے فیض کیسے ملتا ہے؟

ازقلم: محمد سلیم رضوی

جس طرح سمندر سے ہر غوطہ خور موتی حاصل نہیں کرسکتا اسی طرح اللہ کے ولی سے بھی ہر ایک فیض نہیں پا سکتا۔ یادرکھو! اللہ کا ولی تمہارا ظاہر نہیں دیکھتا۔ وہ تمہارا باطن دیکھتا ہے۔ بعض لوگ بزرگوں کے پاس شک کے ساتھ جاتے ہیں یعنی ان کا اعتقاد کامل نہیں ہوتا یہ بظاہر بڑی عاجزی ظاہر کرتے ہیں لیکن باطن میں ولی پر اعتراض اپنے دل میں رکھتے ہیں، یہ سالوں بھی اللہ کے نیک بندے کی خدمت میں پڑے رہیں فیض نہیں پاسکتے۔ کیونکہ کسی اللہ کے نیک بندے، ولی سے فیض اسے ملے گا جو ظاہر و باطن میں اُن سے کامل اعتقاد و محبت رکھتا ہو۔

اس پر دلیل ملاحظہ کریں:

احمد بن مبارک کہتے ہیں ایک دن میں نے (عظیم ولی کامل) حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ (رحمۃ اللہ علیہ) سے دریافت کیا: " آپ معرفت کی باتیں بیان کرتے ہیں، اس طرح اظہار خیال کرتے ہوئے آپ کو قصداً ایسا کرنا پڑتا ہے یا اس کے (ارادے کے) بغیر ہی یہ باتیں صادر ہو جاتی ہیں؟ سیدی عبدالعزیز دباغ نے جواب دیا: " کامل ولی ہر وقت مشاہدہ حق میں مستغرق رہتا ہے اور پلک جھپکنے کے عرصے کے برابر بھی اس مشاہدے میں انقطاع نہیں آتا۔ البتہ ولی کا ظاہر مخلوق کیساتھ متعلق ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ زائرین کی نیت اوران کے مقدر کے مطابق ولی کو ظاہری طور پر مخلوق کی طرف متوجہ کردیتا ہے۔ چنانچہ جس شخص کے نصیب میں اللہ کا فضل ہوگا اس کے سامنے ولی کی زبان سے معرفت کے امور بیان ہوتے ہیں اور وہ شخص ولی کی ذات میں بہت سی کرامات کا مشاہدہ کرتا ہے اور جس شخص کے نصیب میں محرومی ہو " ولی اس کے سامنے کوئی بھی معرفت کی بات بیان نہیں کرسکتا گویا لوگوں کے لیے ولی کی مثال اس پتھر کی مانند ہے کہ جب بنی اسرائیل اس

کے پاس پہنچے تو وہاں سے پانی کے بارہ چشمے پھوٹ نکلے لیکن جب کفار اس پتھر کے پاس پہنچے تو اس میں سے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا۔

احمد بن مبارک کہتے ہیں: "میں نے خود کئی مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ جب حضرت کے سامنے کوئی غیر معتقد شخص بیٹھا ہوا ہوتا تو آپ کے منہ سے معرفت کی کوئی ایک بات بھی نہیں نکلتی اور جب وہ شخص اٹھ کر چلا جاتا تو آپ معارف بیان کرتے۔ آپ اکثر ہمیں یہ ہدایت کرتے کہ جب کوئی غیر معتقد شخص بیٹھا ہوا ہو تو اس کے سامنے مجھ سے کوئی سوال نہ کیا کرو۔ آپ کی اس ہدایت سے پہلے ہم اکثر غیر معتقد کے سامنے آپ سے سوال کیا کرتے تھے تا کہ آپ کی زبانی ظاہر ہونے والے معارف کو سن کر وہ شخص اپنے نظریے کی اصلاح کر کے آپ کا حلقہ بگوش ہو جائے۔ لیکن جب ہم سوال کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ آپ کی شخصیت بدل گئی ہے۔ ہم آپ سے اور آپ ہم سے واقف ہی نہیں ہیں اور آپ کی زبان سے کبھی بھی کوئی معرفت کی بات صادر نہیں ہوئی۔ پھر جب آپ نے اس نکتے کی وضاحت کی تو اس صورتحال کا بنیادی سبب ہماری سمجھ میں آیا۔

(الابریز، مترجم۔ مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور)

اس سے معلوم ہوا کہ جب بھی کسی اللہ کے نیک بندے کی خدمت میں حاضری کا شرف ملے تو کامل عقیدت رکھنی چاہیے ورنہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ واضح رہے علماء ربانیین یعنی علماء حق بھی اللہ عزوجل کے ولی ہیں۔

اللہ کریم ہمیں بے ادبی سے محفوظ رکھے۔ امین



فضائلِ توبہ

ڈاکٹر فیض احمد چشتی

توبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک عظیم الشان مبارک فعل ہے کہ بندہ اپنے جملہ گناہوں، برائیوں اور نافرمانیوں سے شرمندہ اور تائب ہو کر اس کی بندگی اختیار کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ عرفاء نے اپنے اپنے طریق پر توبہ کی مختلف شرائط بیان کی ہیں، یہ شرائط ایسی ہیں کہ جن پر پورا اترنے کے بعد توبہ کی قبولیت بفضل تعالیٰ یقینی ہو جاتی ہے۔ تاہم شریعت نے ایسی کوئی علامت یا نشانی بیان نہیں کی جس سے انسان یقینی طور پر جان سکے کہ میری توبہ قبول ہوئی ہے یا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور وہی اس کا حقیقی علم رکھتا ہے۔ حقیقت میں توبہ وہی ہے جو زبان سے ادا ہو کر قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر جائے اور بندے کی باقی ماندہ زندگی کے ماہ و سال کی کایا پلٹ کر رکھ دے۔ حقیقی توبہ کے باعث تائب کی تمام لغزشیں، کوتاہیاں اور تمام گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ یوں مٹ جاتے ہیں جیسے وہ ابھی ماں کے بطن سے نومولود بچے کی طرح معصوم پیدا ہوا ہو۔ عمومی طور پر توبہ کی شرائط درج ذیل ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان سچی توبہ کی برکات سے دائمی طور پر مستفیض ہو سکتا ہے: ندامت و شرمندگی، ترکِ گناہ و معصیت، توبہ پر پختہ رہنے کا عزم، اصلاحِ احوال، اخلاص۔ ان شرائط کی تفصیل درج ذیل ہے:

توبہ کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے برے طور طریقوں اور اعمال پر شدید پشیمانی اور شرمندگی محسوس کرے۔ یہ ندامت دراصل برے کاموں سے کنارہ کشی کی طرف پہلا قدم ہے۔ ندامت کے صحیح ہونے کی علامات میں دل کا نرم ہو جانا اور کثرت سے آنسوؤں کا جاری ہونا ہے۔ کیونکہ جب دل کو اللہ اور اللہ کے محبوب رسول ﷺ کی ناراضگی کا احساس جکڑ لے اور اس پر عذاب کا خوف طاری ہو جائے تو یہ گریہ و زاری کرنے والا اور غم زدہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی

اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: **النَّدَمُ تَوْبَةٌ**۔ ندامت ہی توبہ ہے۔

(احمد بن حنبل، المسند، 1:376، رقم 3568، چشتی)

انسان اخلاص کے ساتھ حقیقی ندامت کے طفیل ایک ہی قدم میں مغفرت کی منزل پالیتا ہے۔ جمہور محققین کے نزدیک خالص ندامت ہی توبہ کی اصل ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ جب بندہ مولیٰ کی توفیق سے اپنے اعمال پر غور کرتا ہے تو اسے اپنے کیے ہوئے برے افعال پر افسوس ہوتا ہے جس سے ندامت جنم لیتی ہے۔ جب کسی سے محبت کا قلبی تعلق قائم ہو جائے تو اس کی نافرمانی کرنے سے شرم آتی ہے۔ یہی شرم وحیا بندے کو توبہ کے دروازے پر لے جاتی ہے۔ حقیقی ندامت کی نشانی یہ ہے کہ دل میں رِقّت آجائے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **اِجْلِسُوْا اِلٰی التَّوَّابِیْنَ فَإِنَّهُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً**۔ ترجمہ: توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو اس لئے کہ ان کے دل سب سے زیادہ رقیق ہوتے ہیں (تاکہ اُن کی صحبت سے تمہیں بھی رقت نصیب ہو جائے)۔

(احیاء علوم الدین، 4:15)

توبہ کے عمل میں داخل ہونے کا یہ پہلا قدم ہے کہ انسان ندامت محسوس کرتے ہوئے ہر قسم کے گناہ سے کنارہ کش ہو جائے۔ برے فعل پر شرمندگی اور پشیمانی کے احساس سے بندے کے دل میں گناہ ترک کرنے کا داعیہ جنم لیتا ہے اور بندہ شرم محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک کمزور اور حقیر ترین مخلوق ہو کر اس کے ساتھ اپنے تعلقِ بندگی کی حیاء نہ کی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ یہ احساس ترکِ گناہ پر منتج ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ، كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ. فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ، صُقِلَ قَلْبُهُ. فَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى تَغْلَفَ قَلْبُهُ.**

ترجمہ: مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نشان بن جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ کرلے اور (گناہ سے) ہٹ جائے اور استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔(لیکن) اگر وہ ڈٹا رہے اور زیادہ (گناہ) کرے تو یہ نشان بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے (پورے) دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ (ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، 5:434، رقم 3334، چشتی)

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اَلْاِسْتِغْفَارُ مِنْ غَیْرِ اِقْلَاعٍ ھُوَ تَوْبَۃُ الْکَاذِبِیْنَ.

ترجمہ: گناہ سے باز آئے بغیر توبہ کرنا جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے۔ (قشیری، الرسالۃ: 95)

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: زَلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ بَعْدَ التَّوْبَۃِ اَقْبَحُ مِنْ سَبْعِیْنَ قَبْلَھَا.

ترجمہ: توبہ کے بعد کی ایک لغزش توبہ سے پہلے کی ستر لغزشوں سے بدتر ہے۔(قشیری، الرسالۃ: 97)

محمد زُقاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو علی روذباری سے توبہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: گناہوں کا اعتراف، غلطیوں پر ندامت اور گناہوں کا ترک کرنا توبہ ہے۔

(طبقات الصّوفیۃ: 272)

زندگی ایک میدانِ عمل ہے جس میں حقیقی کامیابی عملِ صالح کے بغیر ممکن نہیں اور ترکِ گناہ کے بغیر عملِ صالح کا کوئی تصور نہیں۔ بدقسمتی سے مذہبی اور دنیوی امور کو علیحدہ علیحدہ پلڑوں میں رکھنے کے باطل طریقہ کار نے ہمارے معاشرے میں نیکی کے تصور کو دھندلا دیا ہے۔ بیک وقت لُوٹ کھسُوٹ، ظلم و ناانصافی، حق تلفی اور مفاد پرستی بھی جاری ہے اور عبادات کے نظام پر بھرپور توجہ بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس منافقانہ طرزِ عمل کی موجودگی میں ترکِ گناہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حقیقی توبہ اسی وقت ہوگی جب توبہ کے بعد گناہ کو بھی مکمل طور پر ترک کر دیا جائے۔

انسان اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور پختہ عہد کرے کہ جن نافرمانیوں، خطاؤں اور گناہوں کا ارتکاب کر چکا ہے آئندہ یہ اس کی زندگی میں کبھی داخل نہیں ہوں گے کیونکہ توبہ کی ابدی سلامتی کا

انحصار اس پر ہے کہ وہ کس قدر اپنے عہد پر پختہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ- وَ سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا

ترجمہ: مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی وہ سنور گئے اور انہوں نے اللہ سے مضبوط تعلق جوڑ لیا اور انہوں نے اپنا دین اللہ کے لیے خالص کر لیا تو یہ مومنوں کی سنگت میں ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو عظیم اجر عطا فرمائے گا۔ (سورہ النساء، 146:4)

اس آیت مبارکہ میں "اَلَّذِیْنَ تَابُوْا" کے الفاظ بندے کی توجہ اس طرف مبذول کر رہے ہیں کہ اس کی سابقہ زندگی میں جس قدر بھی غلطیاں اور کوتاہیاں سرزد ہوئیں وہ سچے دل کے ساتھ توبہ کا طلب گار بن کر اپنے گناہوں پر ندامت محسوس کرتے ہوئے گڑگڑا کر اللہ رب العزت کی بارگاہ سے عفو و درگزر کی درخواست کرے۔ درحقیقت بندے کا اپنے سابقہ کیے گئے اعمال پر ندامت محسوس کرنا اپنے جملہ گناہوں سے روگردانی کے مترادف ہے۔ بندہ جب تک نادم رہے گا اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر سایہ فگن رہے گی۔

اِس ضمن میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ توبہ کے باب میں ایک حکایت لائے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے جبرائیل! اگر میری توبہ کی قبولیت کے بعد بھی مجھ سے اس بارے میں سوال ہوا تو میرا ٹھکانہ کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی: اے آدم! آپ نے اپنی اولاد کیلئے بطور وراثت رنج و تکلیف بھی چھوڑی اور توبہ بھی۔ ان میں سے جو مجھے پکارے گا تو میں اس کی دعا قبول کرونگا جس طرح آپ کی دعا قبول کی ہے۔ جو مجھ سے بخشش مانگے، میں اس سے بخل نہیں کرنگا کیونکہ میں قریب ہوں اور دعا قبول کرنے والا بھی۔ اے آدم! میں توبہ کرنے والوں کو قبروں سے اس طرح باہر لاؤں گا کہ وہ خوش ہوں گے اور ہنس رہے ہوں گے اور ان کی دعا قبول ہوگی۔

(اِحیاء علوم الدین، 5:4)

محض زبان سے توبہ کرنا منافقین کا عمل ہے۔ گناہ کو چھوڑنے کا پختہ ارادہ نہ کرنا اور حقیقی توبہ کے بعد بشری تقاضے کے باعث گناہ کا سرزد ہو جانا دو جدا باتیں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عالم الغیب ہے۔ اُس کے علم میں ہے کہ کون اپنی توبہ میں سچا اور کون جھوٹا ہے۔ حقیقی توبہ کے بعد بشری کمزوری کے باعث کسی بندے سے گناہ کا سرزد ہونا ممکن ہے لیکن اگر وہ گناہ کرنے کے بعد ستر بار بھی معافی مانگے تو توبہ قبول ہوگی لیکن اگر کوئی لوگوں کے سامنے خود کو نیک و پارسا ظاہر کر کے دھوکہ دینے کی غرض سے توبہ کرے گا اور پھر گناہوں میں مبتلا ہوگا تو اس کا معاملہ جدا ہے۔ اس لیے کہ اس نے تو علیم وخبیر رب تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) اپنے طور پر دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ بظاہر دیکھنے میں مذکورہ دونوں افراد کا عمل ایک جیسا نظر آتا ہے کہ گناہ پر گناہ کیے جا رہے ہیں مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے معاملے کے اعتبار سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

توبہ کی یہ شرط تائب سے اگلے مرحلے کا تقاضا کرتی ہے اور وہ مرحلہ سنور جانے یعنی اصلاحِ احوال کا ہے۔ حقیقی ندامت انسان کے اندر ایک ہمہ گیر تبدیلی کو جنم دیتی ہے۔ ندامت صرف توبہ کے الفاظ ادا کرنے اور خالی آنسو بہانے کا نام نہیں۔ ندامت اور اس کے نتیجہ میں توبہ کا اختیار کر لینا احوالِ حیات کا مکمل طور پر تبدیل ہو جانا ہے۔ جب تک توبہ کرنے والا اصلاح کی فکر نہیں کرتا وہ تائب ہی نہیں ہوتا۔ گناہوں سے شرمندگی کے باعث آنکھوں کا اشک ریز ہونا بھی قیمت پا سکتا ہے اگر اس کے نتیجے میں انسان کی زندگی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، فسق و فجور، ظلم و ناانصافی، شہوت رانی اور ہوس پرستی جیسے جملہ رذائلِ اخلاق کلیتاً خارج ہو جائیں اور انسان گناہوں سے یکسر پاک ہو کر اطاعت و بندگی کا پیکر بن جائے۔ توبہ کرنا کوئی معمولی فعل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بننے کا مقام ہے جیسے کہ خود باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ

ترجمہ: بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (سورہ البقرۃ، 222:2)

حضرت ابو محمد سہل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب کب بنتا ہے؟ فرماتے ہیں: جب وہ ہر اس کام سے دور ہو جائے جسے حق تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ، توبہ کرنے والے (ہی) عبادت کرنے والے ہیں۔

(قوت القلوب، 384:1)

یعنی توبہ بندگی سے مشروط ہے۔ عرفاء نے تائب کیلئے بعض امور کا بجالانا ضروری قرار دیا ہے۔ جن میں چند اہم ترین یہ ہیں: نافرمانوں کی صحبت سے اجتناب کیا جائے۔ تائب کو ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے۔ کسی گناہ کو بھی معمولی خیال نہ کرے اور فضول کاموں سے الگ رہے۔

جس گناہ سے توبہ کی اس کو کچھ اس طرح یاد رکھے کہ اس گناہ کا احساس اسے پریشان رکھے تاکہ آدابِ بندگی بجالاتا رہے اور کبھی بھی اس کی حلاوت محسوس نہ کرے بلکہ اس کی کڑواہٹ محسوس کرے اور اس سے سخت نفرت کرے۔

حقوق العباد میں سے اگر کسی سے ناانصافی یا ظلم کر بیٹھے تو اولاً اس کے حقوق ادا کرے اور اگر یہ توفیق نہیں پاتا تو پھر اس سے معافی کا خواستگار ہو اور اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر کیلئے دست بہ دعا رہے۔



ہاؤسنگ اسکیموں کے متعلق اہم شرعی مسائل

مفتی ارشاد حسین

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ آجکل ہاوسنگ اسکیم میں زمین موجود ہوتی ہے لیکن ابھی پلاٹنگ نہیں ہوئی ہوتی یعنی پلاٹ علیحدہ علیحدہ کر کے متعین نہیں ہوتے، نقشہ بنا کر زمین کے مالک فقط فائلز نکالتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز وہ بروکرز کو فائلز

دیتے ہیں کہ ان کو بکواو، خرید وفروخت کا ایگریمنٹ بھی تم ہی کرو۔ اب اگر بروکرز خریدار کیساتھ خود ہی ایگریمنٹ (ایجاب وقبول) کر کے ان میں سے کچھ فائلز بکوادیں، شرعی رہنمائی فرمائیں کہ اس کا یہ عمل کیسا ہے اور اس صورت میں جو اسے مالک کی طرف سے کمیشن ملا، وہ اس کے لیے حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

آجکل ہاؤسنگ اسکیموں کی خرید وفروخت میں جو فائل سسٹم رائج ہے یہ نہ صرف ناجائز ہے بلکہ اس میں فراڈ بھی ہے۔ شرعی طور پر ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو فائلز دی جاتی ہیں وہ صرف نقشے کے مطابق بیچی جارہی ہوتی ہیں، حقیقی طور پر پلاٹ کس جگہ ہے یہ معلوم نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مکمل زمین بھی ابھی سوسائٹی والے کی ملکیت نہیں ہوتی وہ فائلیں بیچ کر اس کی رقم سے مکمل زمین خریدتا ہے۔ اب جب زمین ہی ملکیت میں نہیں تو یہ معدوم کی بیع ہے کہ شرعا جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کی خرید وفروخت باطل ہے۔ پھر اگر ملکیت میں بھی ہو لیکن خریدنے والے کو کنفرم معلوم نہیں کہ کونسی جگہ ہے تو یہ مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے جو ناجائز ہے۔ نقشے اور حقیقت میں پلاٹ کی نشاندہی میں بہت فرق ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں بروکر کا کمیشن لینا بھی جائز نہیں ہے۔

سوسائٹی اسکیموں میں دھوکہ وفراڈ، یوں ہوتا ہے کہ بعض بلڈرز کے پاس اتنی زمین ہی نہیں ہوتی جتنے پلاٹوں کی فائلیں فروخت کر رہے ہوتے ہیں۔ اب بعد میں کسی کو پلاٹ ہی نہیں ملتا یا ایسی جگہ پلاٹ دے دیا جاتا ہے جو نقشے کے مطابق نہیں ہوتا۔ اس کی مثالیں آئے دن اخبارات وغیرہ میں ملتی ہیں۔

البتہ اگر فائلز میں پلاٹ کا محل وقوع معلوم ہے یعنی نقشے میں پلاٹ نمبر، گلی نمبر، فیز/کالونی/سیکٹر وغیرہ سب چیزیں متعین ہیں اور بات نقشے تک محدود نہیں، بلکہ حقیقت میں بھی اسی طرح

ہے، آپ پلاٹ پر کھڑے ہو کر دیکھنا چاہیں، تو آپ معلوم کر سکتے ہیں وہاں کھڑے ہو کر کہ یہ پلاٹ آپ خرید رہے ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ ڈویلپمنٹ کے کام نہیں ہوئے۔ تو اس صورت میں خرید وفروخت جائز ہے۔ اور اس صورت میں کمیشن لینا بھی جائز ہے۔

مبسوط للامام السرخسی میں ہے:

"بيع المعدوم لايجوز لنهيه صلى الله عليه وسلم عن بيع ما ليس عند الانسان"

ترجمہ: معدوم کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو۔ (مبسوط، جلد 12، صفحہ 165، مطبوعہ کوئٹہ)

کنز الدقائق میں ہے: **"فسدبيع عشر ة اذرع من مائة ذراع من دار لأنه مجهول لا تعرف نسبته إلى جميع الدار"**

ترجمہ: گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع فاسد ہے۔ کیونکہ یہ ایسا مجہول ہے جس کی معرفت تمام گھر سے حاصل نہیں ہوتی۔ (کنز الدقائق، کتاب البیوع، جلد 4، صفحہ 7، دار الکتب العلمیہ بیروت)

بحر الرائق میں ہے: **" فسد بيع عشرة أذرع من دار ..مؤداه قدر معين والجوانب مختلفة الجودة فتقع المنازعة فی تعيين مكان العشرة فيفسد البيع"**

ترجمہ: گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع کرنا فاسد ہے کہ مقدار معین ہو چکی اور اطراف میں عمدگی مختلف ہوتی ہے تو مکان کہ دس گز معین کرنا میں جھگڑا واقع ہو جائے گا تو یہ بیع فاسد ہے۔

(بحر الرائق، بیع الشائع، جلد 5، صفحہ 315، دار الکتب العلمیہ بیروت)

فتاوی رضویہ میں ہے: "اگر گواہان عادل سے ثابت ہو جائے کہ عقد زبانی میں فی گز 6 کی تصریح تھی اور اسی حساب سے 24 گز (9لعہ) روپے کو بیع ہوئی، تو اگر 24 گز مبیع کی تعیین سمت بھی ہو گئی تھی، جیسا کہ اب عرضی دعویٰ کے بعض بیانوں سے مستفاد ہے، تو یہی 24 گز جانب

غربی سے بیع ہوئی۔ باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے اور اگر تعیین نہ تھی جیسا کہ بیان بیع میں کہ عرضی دعویٰ میں ہے، اس وقت تک نہیں، تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی۔ **لان الذراع انما یحل فی المعین فھو معین لکنہ مجھول الموضع لامشاع کما فی ردالمحتار**، تنویرالابصار میں ہے: "**فسد بیع عشرة اذرع من مائة ذراع من دار...**" اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کر کے ایک طرف سے 24 گز معین بائع نے مشتری کو دیئے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہوگئی۔" (فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 125، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بیع فاسد کو ختم کرنے سے متعلق بدائع الصنائع میں ہے: "**البیع الفاسد واجب الفسخ حقا للشرع رفعا للفساد**" ترجمہ: فساد کو دور کرنے کے لیے بیع فاسد کو فسخ کرنا شرع کے حق کی وجہ سے واجب ہے۔ (بدائع الصنائع، جلد 4، صفحہ 102، دارالکتب العلمیہ بیروت)

عالمگیری میں بیع کے صحیح ہونے کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "**أن یکون المبیع معلوما**" ترجمہ: (بیع صحیح ہونے کی شرائط میں سے یہ ہے) کہ مبیع معلوم ہو۔

(عالمگیری، جلد 3، صفحہ 3، مطبوعہ پشاور)

بہار شریعت میں ہے: "مبیع وثمن دونوں اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہو سکے۔ اگر مجہول ہوں کہ نزاع ہو سکتی ہو، تو بیع صحیح نہیں مثلاً: اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچی یا اس چیز کو واجبی دام پر بیچا یا اس قیمت پر جو فلاں شخص بتائے۔"

(بہار شریعت، جلد 2، صفحہ 617، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ناجائز کام کی اجرت کے متعلق وقار الفتاوی میں ہے: "معصیت (ناجائز کام) کرنے پر اجرت بھی معصیت (ناجائز) ہوتی ہے۔" (وقار الفتاوی، جلد 2 صفحہ 518، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

واللہ و رسولہ اعلم عزو جل و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنا

ابو رضا محمد عمران عطاری

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس بارے میں کہ امام کے پیچھے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب" بعون الملک الوھّاب

مذکورہ صورت میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ امام کی اقتداء میں ہے اور خاموشی کا حکم ہے جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے کسی قسم کی قرأت کرنا خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت، جائز نہیں، نیز اس حکم میں سری اور جہری نمازوں میں کوئی فرق نہیں؛ کیونکہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے، مثلاً، اگر امام کا وضو نہ ہو تو تمام مقتدیوں کی نماز ادا نہیں ہوگی اگر چہ تمام مقتدی باوضو ہوں، اسی طرح امام سے سہو ہو جائے تو تمام مقتدیوں پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اگر چہ کسی مقتدی سے کوئی سہو نہ ہو، اسی طرح اگر تمام مقتدیوں سے بھی سجدہ سہو واجب کرنے والی غلطی ہو جائے، لیکن امام سے سہو نہ ہو تو مقتدیوں پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، بلکہ امام کی نماز صحیح ہونے کی وجہ سے ان کی نماز بھی صحیح ہو جاتی ہے، لہٰذا نماز خواہ سری ہو یا جہری امام کی قرأت تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہے۔

قرآنِ پاک میں- وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(الاعراف آیت204)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

تفسیر صراط الجنان میں تفسیر کبیر کے حوالے سے ہے۔ کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔ (تفسیر کبیر، الاعراف، تحت الآیۃ: ۲۰۴، ۵/۴۳۴)

علامہ عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس وقت قرآنِ کریم پڑھا جائے خواہ نماز میں یا خارجِ نماز اُس وقت سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

(مدارک، الاعراف، تحت الآیۃ: ۲۰۴، ص ۱۰۴)

اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں خطبہ کو بغور سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت سے نماز و خطبہ دونوں میں بغور سننے اور خاموش رہنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس طرف ہیں کہ یہ آیت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے کے باب میں ہے۔

(خازن، الاعراف، تحت الآیۃ: ۲۰۴، ۲/۱۷۱، مدارک، الاعراف، تحت الآیۃ: ۲۰۴، ص ۱۰۴، ملتقطاً)

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے امام کے پیچھے قرآنِ پاک پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور کثیر احادیث میں بھی یہی حکم فرمایا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کی جائے۔ چنانچہ حضرت بشیر بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ نماز میں امام کے ساتھ قرأت کررہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا ابھی تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کے معنی سمجھو

(تفسیر ابن جریر، الاعراف، تحت الآیۃ: ۲۰۴، ۶/۱۶۱)، (ماخوذ از تفسیر صراط الجنان تحت آیت 204 الاعراف)

حدیث شریف میں ہے۔ **عن ابی موسٰی رضی اللّٰہُ عنه قال علّمنا رسول اللّٰه صلّی اللّٰہُ علیه وسلم قال اذاقم تم الی الصلاۃ فلیؤمّکم احدکم واذا قرأالامام فانصتوا..رواہ احمد و مسلم وھو حدیث صحیح.**

یعنی: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی تو ارشاد فرمایا: جب تم نماز کے واسطے کھڑے ہو تو تم میں سے کوئی بھی تمہاری امامت کروائے اور جس وقت امام قرأت کرلے تو اس وقت تم سکوت اختیار کرو۔

(الاحکام الشریعۃ الکبریٰ - جز2،صفحہ205)،(جامع الاحادیث،رقم،2494)(کنز العمال،رقم،20489)
(مسند ابی عوانہ رقم،1698)

حدیث شریف۔وعن ابی هريرة رضى اللّٰهُ عنه قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه واله انّما جعل الامام ليؤُتم به فاذاكبّرفكبّروا واذا قرأً فانصتوا .رواه الخمسةُالّاالتر مذىُّ هذاحديث صحيح۔

یعنی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امام صرف اس واسطے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جس وقت وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جس وقت وہ قرأت کرے تو اس وقت تم سکوت اختیار کرو۔

(مسند احمد، رقم،8534)،(مسند الصحابہ، رقم،922)،(مصنف ابی شیبہ، رقم،3820)،(کنز العمال، رقم، 20477)،(شرح معانی الآثار رقم،1190)،(سنن ابن ماجہ رقم837)،(سنن ابوداؤد..رقم511)

حدیث شریف۔ وعن علقمة عن ابن مسعود رضى اللّٰه عنه قال ليت الّذى يقرأُخلف الامام مليئفوه ترابا..رواه الطّحاوىّ و اسناده حسن۔

یعنی: حضرت علقمہ کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کا منہ مٹی سے بھر دیا جائے)

(المؤطا جز1،صفحہ197)،(مصنف ابن ابی شیبہ،رقم، 3840)،(مصنف عبدالرزاق،رقم،2806)

حدیث شریف۔ وعن ابى جمرة قال قلت لابن عبّاس رضى اللّٰهُ عنهما اقرأُ والامام بين يدىّ فقال لاروا ه الطّحاوىُّ وسناده حسن۔

یعنی: ابو جمرہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ قرأت کیا کروں جس وقت میرے آگے امام ہو تو انہوں نے فرمایا نہیں۔

(المؤطا، جز1،صفحہ191)،(شرح معانی الآثار، جز1،صفحہ220)

مذکورہ آحادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنا منع ہے۔امام کے پیچھے قرأت کرنے کے تعلق سے آئمہ کرام کا اخلاف ہے۔

حنفیہ کا مؤقف.. علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی.. متوفی 1252ھ) آپ لکھتے ہیں نماز اور خارج نماز میں قرآن مجید کو سننا مطلقاً واجب ہے۔ (ردالمختار جز1،صفحہ 366)

علامہ علاؤالدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی حنفی متوفی 587ھ آپ لکھتے ہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

یعنی: اور جب قرآن پاک پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خوموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے،

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا ہے اور جن نمازوں میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے ان میں اگر چہ سننا ممکن نہیں ہے لیکن خاموش رہنا ممکن ہے پس اس سے ظاہر نص کے اعتبار سے ان نمازوں میں خاموش رہنا واجب ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو مسلمانوں نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کو ترک کر دیا اور ان کے امام رسول اللہ ﷺ تھے پس ظاہر ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کے اس امر سے قرأت کو ترک کر دیا تھا اور حدیث مبارک مشہور میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے سو تم اس سے اختلاف نہ کرو جب وہ تکبیر پڑھے تو تم بھی تکبیر پڑھو اور جب وہ قرآن مجید پڑھے تو تم خاموش رہو) اس حدیث میں امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے ہمارے نزدیک بغیر قرأت کے کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی اور مقتدی کی نماز بغیر قرأت کے نہیں ہے بلکہ یہ نماز قرأت کے ساتھ ہے اور وہ امام کی قرأت ہے

کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے۔
(بحوالہ بدائع الصنائع، جز 1، صفحہ 524)

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں– ولایقرا المتم بل یستمع حال جهر الامام وینصت حال اسراره لقوله تعالیٰ واذا قریئالقران فا ستمعوا له وانصتوا و قال صلی اللّٰه علیه وسلم یکفیک قراۃالامام جهر ام خافت–

یعنی: اور مقتدی قرأت نہیں کرے گا بلکہ وہ سنے گا جب امام بلند آواز سے قرأت کرے اور خاموش رہے گا جب امام آہستہ آواز سے قرأت کرے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی وجہ سے، اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو– اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، امام کی قرأت جہری ہو یا سری تجھے کافی ہے۔ (بحوالہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، صفحہ 227)

واللّٰہ اعلم عزوجل و رسوله اعلم ﷺ



خطباو واعظین حضرات متوجہ ہوں!

(۱) ازقلم: ابوالحسن محمد شعیب عطاری جلالی

(۲) تصحیح: غلام احمد رضا علی حیدر سنی حنفی بریلوی

قارئین کرام! آج کے پرفتن دور میں بڑھتے ہوئے فتنے (رافضیت، خارجیت وناصبیت اورملحدین) کو روکنے کیلئے ہمارے خطبا حضرات جہاں جہاں اپنی دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔وہاں ہر سنی خطیب کو چاہیے کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ کی کرامات اور اسی طرح قصے کہانیوں کی بجائے اہلسنّت کے عقائد ونظریات پر عوام اہلسنّت کو مطلع کریں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور خصوصاً بالخصوص بدمذہبوں کا رد تحریری طور پر اور تقریری دونوں طریقوں سے کریں۔تاکہ عوام اہلسنّت حق

اور باطل میں تمیز کرسکیں۔ یہ میری فقط ایک عرض ہے ان سُنّی خطباء حضرات سے جو فقط قصے کہانیاں اور انبیاء کرام کے معجزات سنا سنا کر اپنا گزارا کررہے ہیں یہی حضرات اگر علماء اہلسنّت کی صحبت میں رہ کر کتب اہلسنّت کا کچھ مطالعہ کرکے کتب سے ہی پڑھ کر بیان کرنا شروع کردیں تو اس سے عوام اور واعظ کو خود بڑا فائدہ اور علم وثواب حاصل ہوگا.....

یہی بات مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ بہار شریعت میں بیان فرماتے ہیں کہ: ان نو آموز مولویوں کو ہم خیر خواہانہ نصیحت کرتے ہیں کہ تکمیلِ درس نظامی کے بعد فقہ واصول وکلام وحدیث وتفسیر کا بکثرت مطالعہ کریں اور دین کے مسائل میں جسارت نہ کریں جو کچھ دین کی باتیں ان پر منکشف و واضح ہو جائیں ان کو بیان کریں اور جہاں اشکال پیدا ہو اس میں کامل غور وفکر کریں خود واضح نہ ہو تو دوسروں کی طرف رجوع کریں کہ علم کی بات پوچھنے میں کبھی عار نہ کرنا چاہیے۔

(بہار شریعت حصہ پانزدہم صفحہ 202)

اس لئے اسطرح کے خطبا حضرات اور واعظین مولوی برائے کرم پہلے خود مطالعہ فرمائیں اور پھر دوسروں کو وعظ ونصیحت کریں اور اپنی تقریریں وقت کی ضرورت کے مطابق بیان فرمائیں صرف اولیاء کرام کی کرامات بالخصوص غوث پاک کی کرامات ہر جمعہ وعرس وغیرہ میں بیان کرتے رہنا جس کی وجہ سے عوام حلال وحرام کے فرق، جائز وناجائز، منکرات شرعیہ، وعقائد اہلسنّت سے ہمیشہ بے خبر رہتے ہیں اور یہی انکی گمراہیت کا سبب بن جاتے ہیں اولیاء کرام کی شان بیان کرنے کیلئے ہمیشہ کرامات ہی بیان کرنا ضروری نہیں اولیاء کرام اور بالخصوص غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی شان اس سے بڑھ کر اور کیا بیان کی جاسکتی ہے کہ غوث پاک فتوح الغیب شریف میں خود فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو کن فیکون کی طاقت عطا فرماتا ہے اور بخاری شریف کے اندر حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کی شان میں خود فرمایا کہ جو میرے ولیوں سے بغض رکھتا ہے میں اللہ اس سے جنگ کا اعلان فرماتا ہوں۔

اور اگر اولیاء کرام کی کرامات ہی بیان کرنی ہوں تو ایسی کرامات بیان کریں جس میں عوام کیلئے نصیحت ہو مثلاً اولیاء کرام کے تقویٰ و پرہیز گاری صبر و صلہ رحمی قربانی و حسن سلوک عبادت میں کثرت علم و حکمت اور انکی دینی خدمات وغیرہ کو بیان کریں تا کہ عوام اہلسنّت ان تمام امور کا شوق بیدار ہو۔

اور نبی ﷺ کی شان بیان کرنے کیلئے ہمیشہ معجزات ہی بیان کرنا ضروری نہیں کیونکہ ہمارے نبی تو وہ ہیں جو خود معجزہ بن کر آئے

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یوں تو نبی ﷺ کی شان بہت بلند و بالا ہے اور جتنی بیان کی جائے کم ہے اور یقیناً جتنی بیان کی جائے جی نہیں بھرتا اسی لئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں: خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے ست تیری تعریف سے خاموش رہنا تیری تعریف کی انتہا ہے۔(فتاویٰ رضویہ جلد 14 صفحہ 527)

مگر مختصراً نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فتاوی رضویہ شریف کی جلد 22 ص 687 بحوالہ امام محمد بوصیری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: سوائے الوہیت و مستلزمات الوہیت کے سب فضائل و کمالات حضور کیلئے ثابت ہیں اور یہی بات انہی بزرگوں کے حوالے سے وہابیوں کے مولوی نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے بھی لکھی جسکا حاصل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا یا خدا اور خدا کے برابر نہیں ماننا باقی سب فضائل و کمالات حضور کیلئے ثابت ہیں۔ (الشمامۃ العنبریۃ من مولد خیر البریۃ صفحہ 59 تا 60)

اور اگر عوام کو مقام رسالت سمجھانے کیلئے بطور برکت معجزہ بیان ہی کرنا ہو تو واقعۂ شبِ معراج النبی بیان کر کے پھر مسائل ضروریہ بیان فرمائیں۔

نوٹ:۔ ہماری اس تحریر کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ ہم اولیاء کرام اور انبیاء کرام کے معجزات و

کرامات کے منکر ہیں معاذ اللہ۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جہاں منکرین معجزات وکرامات ہوں وہاں انکے اثبات کا بیان بھی لازم ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جہلاء اور قصہ گو واعظین کا رد کرتے ہوئے کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (اگر) علماء بھی وعظ ونصیحت کی بجائے بازاری مقررین کا انداز اختیار کر لیں، لغویات وواہیات، بیہودہ گوئی اور بیکار باتوں سے دل بہلانا شروع کردیں جو عموماً دیکھا گیا ہے تو لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ کوئی بات نہیں ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں رحمتِ خداوندی ہمارے شامل حال رہے گی تو قوم کا حال غافلین سے بدتر ہو جائے گا۔ ظاہر ہے جب عام آدمی مجلسِ وعظ میں ایسی خرافات سنے گا لازماً ویسی ہی صفات اس میں پیدا ہوں گی، آخرت کے خطرات سے ڈرنا تو درکنار، اس کے دل سے آخرت کا خیال بھی نکل جائے گا، پھر اسے جو کچھ بھی کہا جائے وہ یہی کہتا رہے گا: اللہ عَزَّ وَجَلَّ بڑا رحیم وکریم ہے، میرے گناہوں سے اس کا کیا بگڑتا ہے؟ اور اس کی جنت کوئی تنگ وتاریک معمولی سی کوٹھڑی تھوڑی ہے بلکہ وہ تو زمین وآسمان سے بھی زیادہ وسیع وکشادہ ہے وہاں تو کروڑوں انسان بآسانی سما جائیں گے تو مجھ جیسے گناہگار سے اللہ تعالیٰ کا تنگ آجانا خدا کی رحمت سے بعید ہے۔ ایسی ایسی لغویات اس کے دل ودماغ پر مسلط ہو جاتی ہیں۔ (کیمیائے سعادت، رکن سوم: مہلکات، اصل دہم، علاج غفلت ونادانی، ۲ / ۲۳۷)

اسی طرح کے واعظین کا رد فرماتے ہوئے حضرت ابوقلابہ تابعی فرماتے تھے: قُصَّاص (کہانیاں سنانے والے جاہل مقررین وغیرہ) نے علم برباد کر کے رکھ دیا ہے، بندہ ایک سال تک قصہ گو شخص کے پاس بیٹھا رہے پھر بھی (سوائے کانوں کی لذت کے) کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ جب کہ کسی عالم کے پاس کچھ دیر بیٹھ جائے تو کچھ نہ کچھ لیکر ہی اُٹھتا ہے۔

انظر: تحذير الخواص من اكاذيب القصاص للسيوطي، الفصل العاشر في

زیادات فاتت الحافظ زین الدین العراقی۔۔،ص186،ط المکتب الاسلامی بیروت))

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب کوئی گمراہ بددین رافضی ہو یا مرزائی، وہابی ہو یا دیوبندی وغیرہم خذلهم الله تعالیٰ اجمعین (اللہ تعالیٰ ان کو بے یار و مددگار چھوڑے۔) مسلمانوں کو بہکائے فتنہ وفساد پیدا کرے تو اس کا دفع اور قلوب مسلمین سے شبہات شیاطین کا رفع فرض اعظم ہے جو اس سے روکتا ہے " يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا " میں داخل ہے کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔
(فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 257)

مزید فرماتے ہیں کہ: مسلمانوں پر فرض ہے کہ ایسے گمراہوں، گمراہ گر، بے دینوں کی بات پر کان نہ رکھیں، ان پر فرض ہے کہ روافض و مرزائیہ اور خود ان بے دینوں یا جس کا فتنہ اٹھتا دیکھیں سد باب کریں، وعظ علماء کی ضرورت ہو وعظ کہلوائیں، اشاعت رسائل کی حاجت ہو اشاعت کرائیں، حسب استطاعت اس فرض عظیم میں روپیہ صرف کرنا مسلمانوں پر فرض ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: لما ظهرت الفتن اوقال البدع فليظهر العالم علمه ومن لم يفعل ذٰلک فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لايقبل الله منه صرفا ولاعدلا

جب ظاہر ہوں فتنے یا فسادیا بد مذہبیاں اور عالم اپنا علم اس وقت ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے۔ اللہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل،
جب بدمذہبوں کے دفع نہ کرنے والے پر لعنتیں ہیں تو جو خبیث ان کے دفع کرنے سے روکے اس پر کس قدر اشد غضب ولعنت اکبر ہوگی۔ (فتاوی رضویہ جلد 21 صفحہ 258)

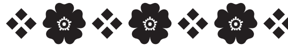
بلکہ اعلیٰ حضرت تو یہاں تک لکھ گئے کہ (وعظ جو خلاف شرع نہ ہو اس وعظ سے بھی) اگر مال یا

شہرت مقصود ہے تو اگرچہ مسلمانوں کے لیے اس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت مضر ہے علماء فرماتے ہیں: ایسی اغراض کے لیے وعظ ضلالت اور یہود و نصاریٰ کی سنت ہے۔

درمختار میں ہے: **التذکیر علی المنابر والاتعاظ سنة الانبیاء ولریاسة ومال و قبول عامة من ضلالة الیهود والنصاری** (منبروں پر وعظ کہنا نصیحت کرنا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے بڑائی یا مال یا لوگوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے وعظ کہنا یہود و نصاریٰ گمراہیوں میں سے ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد 13 صفحہ 200-199)

اس لئے خطبا اور واعظین حضرات کو یہاں خاص توجہ کی درخواست ہے کہ وہ اپنے آپ پر اور عوام اہلسنّت پر کچھ رحم فرمائیں اور جماعت اہلسنّت کو مزید نقصان سے بچائیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے آمین۔۔۔



نسبت

افادات از: امام اہلسنّت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے جو نسبت ہے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے ہے کہ: ؎

فرق مراتب بے شمار ‌ ‌ ‌ اور حق بدست حیدر کرار
مگر معاویہ بھی ہمارے سردار ‌ ‌ ‌ طعن ان پر کار فجار

جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں عیاذ باللہ حضرت علی اسد اللہ رضی اللہ عنہ کے سبقت واوّلیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی اور جو حضرت علی اسد اللہ رضی اللہ عنہ کی محبت میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت ونسبت بارگاہ حضرت رسالت بھلا دے وہ شیعی زیدی ہے یہی روش آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے۔

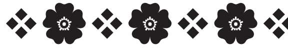
(فتاوی رضویہ جلد 10 صفحہ 201 قدیم ایڈیشن)، (فتاویٰ رضویہ، جلد 10، صفحہ 199، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مرتبہ کا فرق شمار سے باہر ہے۔ اگر کوئی حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حضرت امام المسلمین مولا علی مشکل کُشاء رضی اللہ عنہ کی شان وعظمت کو گرائے وہ ناصبی یزیدی ہے۔ اور جو مولا علی شیرِ خُدا رضی اللہ عنہ کی محبت کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرے وہ زیدی شیعہ ہے۔ الحمد للہ ہمارا اہلسنّت کا مسلک مسلکِ اعتدال ہے جو ہر صاحبِ فضل کو بغیر کسی دوسرے کی تنقیص وتوہین کے مانتا ہے۔ آج کے جاہلوں نے محبتِ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کیلئے بُغضِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شرط بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آل واصحاب کی محبت میں موت عطا فرمائے آمین۔

محترم قارئین: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ صحابہ کا آپسی اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والے اختلاف میں زبان بند رکھی جائے۔ اور ان کے فضائل بیان کیے جائیں۔ نا کہ جیسا کہ بعض جاہلوں نے سمجھ لیا کہ فضائل کے بارے میں کف لسان کیا جائے۔ اللہ ان سب سے راضی ہے اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے

امام اہلسنت ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (324 ھجری) فرماتے ہیں: جو جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ

اور حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہوئی یہ تاویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور یہ تمام کے تمام مجتہدین تھے اور ان کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی گواہی دی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام اپنے اجتہاد میں حق پر تھے، اسی طرح جو جنگ حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہوئی اس کا بھی یہی حال ہے، یہ بھی تاویل واجتہاد کی بنیاد پر ہوئی، اور تمام صحابہ پیشوا ہیں، مامون ہیں، دین میں ان پر کوئی تہمت نہیں ہے، اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کی تعریف کی ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان تمام کی تعظیم و توقیر کریں، ان سے محبت کریں اور جو ان کی شان میں کمی لائے اس سے برائت اختیار کریں۔ (الابانہ عن اصول الدیانہ صفحہ 624-625-626)



قرآن کے بنیادی علوم پانچ ہیں

یار محمد رضا الحسینی

قرآن کریم میں پانچ بنیادی علوم بیان ہوئے ہیں جن کو علوم خمسہ (علوم پنجگانہ) کہا جا سکتا ہے۔

علم الاحکام

اس میں فرض، واجب، مستحب، مباح، حلال، حرام اور مکروہات کی بحث ہوتی ہے اسکا دائرہ کار (Jurisdiction) عبادات، معاملات، معاشرت، معیشت اور سیاست تک پھیلا ہوا ہے ایسے احکام کی تشریح و تفسیر کرنا فقہہ و مجتہدین کا کام ہے۔

علم المخاصمہ (بحث ومباحثہ، Debates)

اس علم کے مطابق قرآن میں چار گمراہ مذاہب یہودی، عیسائی، مشرکین اور منافقین سے بحث کی گئی ہے۔اس علم تشریح وتفسیر کرنا متکلمین علم الکلام کے ماہرین کے ذمہ ہے۔

علم تذکیر بآلاء اللہ (نعمتوں اور قدرتوں کا ذکر، Blessing)

اس علم کے لحاظ سے قرآن کریم میں اللہ کی قدرتوں، نعمتوں اور نشانیوں کا بیان ہے پوری کائنات کی تخلیق اور انسان جو ہدایت وتعلیم کا محتاج ہے اس کی وضاحت کے متعلق تفصیلی کلام کیا گیا ہے اور اللہ کی صفات کا ذکر بھی ملتا ہے۔

علم تذکیر بأیام اللہ (اللہ کے دن Days of Allah)

یہ وہ علم ہے جس کا تعلق ان تاریخی واقعات وحالات اور دنوں سے ہے جن کا بیان قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ جس دن اللہ نے اپنے بندوں پر نعمتیں اتاری اور جس دن اللہ نے نافرمانوں اور حد سے بڑھنے والوں پر اپنا عذاب اتارا۔

علم تذکیر بالموت، ومابعد الموت (Life and Death)

اس علم کا تعلق زندگی، موت اور آخرت کے احوال و واقعات سے ہے اس میں تفصیل کے ساتھ دنیا، قبر، برزخ، حشر ونشر، حساب وکتاب، میزان، جنت اور دوزخ کا ہے۔

قرآن کریم کا ہر بیان ان پانچ طبقات کے اندر ہے اس سے باہر نہیں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ اپنی عظیم تر قرآن فہمی ثبوت ہے کہ قرآن کے تمام مضامین جس کو سمجھنے میں کئی سال لگ سکتے ہیں اُن کو ایک مختصر وجامع انداز میں انتہائی آسان طریقے سے بیان کر دیا جس سے بعد کے قرآن کے طالب علموں کو کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

ثعلبہ کا مال اُسے لے ڈوبا

ابو امین سید محمد مبین رضا عطاری

کیا تم نے اس ثعلبہ کا حال قرآن میں نہیں پڑھا اگر نہیں پڑھا تو آؤ میں آپ کو سُناتا ہوں، سورۂ توبہ میں سے ایک وقعہ آپکو پیش کرتا ہوں۔۔۔

قرآن پاک میں اللہ پاک فرماتا ہے:

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ (75)

فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (76)

ترجمۂ کنز الایمان شریف: اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے۔ تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

تفسیر صراط الجنان: {وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ: اور ان میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا ہوا ہے}

شانِ نزول: ایک شخص ثعلبہ نے رسولِ کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اس کے لئے مالدار ہونے کی دعا فرمائیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس بہت سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ دوبارہ پھر ثعلبہ نے حاضر ہو کر یہی درخواست کی اور کہا اسی کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا کہ اگر وہ مجھے مال دے گا تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے دعا فرمائی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت فرمائی اور اتنی بڑھیں کہ مدینہ میں ان کی گنجائش نہ ہوئی تو ثعلبہ ان کو لے کر جنگل میں چلا گیا اور جمعہ و جماعت کی حاضری سے بھی محروم ہو گیا۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اس کا حال دریافت فرمایا تو صحابۂ

کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کا مال بہت کثیر ہوگیا ہے اور اب جنگل میں بھی اس کے مال کی گنجائش نہ رہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثعلبہ پر افسوس پھر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے وصول کرنے والے بھیجے تو لوگوں نے انہیں اپنے اپنے صدقات دیئے، جب ثعلبہ سے جا کر انہوں نے صدقہ مانگا اس نے کہا یہ تو ٹیکس ہوگیا، جاؤ میں پہلے سوچ لوں، جب یہ لوگ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کچھ عرض کرنے سے قبل دو مرتبہ فرمایا ثعلبہ پر افسوس۔ اسکے بعد یہ آیت نازل ہوئی پھر ثعلبہ صدقہ لے کر حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے قبول فرمانے کی ممانعت فرمادی، وہ اپنے سر پر خاک ڈال کر واپس ہوا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

پھر اس صدقہ کو خلافت صدیقی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انہوں نے بھی اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا انہوں نے بھی قبول نہ فرمایا اور خلافتِ عثمانی میں یہ شخص ہلاک ہوگیا۔ (مدارک، التوبۃ، تحت الآیۃ: ۷۵، ص ۴۴۶، ملتقطاً)

ثعلبہ کی توبہ کیوں قبول نہ ہوئی: ثعلبہ کی توبہ اس لئے قبول نہیں ہوئی کہ اس کا توبہ کرنا اور رونا دھونا دل سے نہ تھا بلکہ لوگوں کے درمیان اس کے مردود ہونے کی وجہ سے جو ذلت ہو رہی تھی وہ اس سے بچنے کیلئے واویلا کر رہا تھا تو چونکہ توبہ صدقِ دل سے نہ تھی اس لئے مقبول نہ ہوئی۔

ثعلبہ کے نام سے متعلق ایک اہم وضاحت: تفسیر حدیث اور سیرت کی عام کتب میں اس شخص کا نام ''ثعلبہ بن حاطب'' لکھا ہوا ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابنِ اثیر جزری رحمہم اللہ المبین کی تحقیق یہ ہے کہ اس شخص کا نام ''ثعلبہ بن حاطب'' درست نہیں کیونکہ جنابِ سیدنا ثعلبہ بن حاطب بدری صحابی ہیں اور وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے تھے اور بدری صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

بارے میں قرآن وحدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو ثعلبہ بن حاطب اس آیت کا مِصداق نہیں ہو سکتے نیز جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تو وہ اس کے مِصداق ہو ہی نہیں سکتے کہ یہ شخص ثعلبہ بن ابی حاطب تو حضرتِ سیدنا عثمانِ غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مرا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آیت میں جس شخص کا واقعہ مذکور ہے وہ ثعلبہ بن حاطب کے علاوہ کوئی اور ہے اور تفسیر ابن مردویہ میں مذکور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق وہ شخص ''ثعلبہ بن ابو حاطب'' تھا۔

علامہ محمد بن یوسف صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے 'سبل الہدٰی والرشاد' میں اور علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اتحاف میں اس تحقیق سے اتفاق کیا ہے۔

اسی طرح سیدی اعلیٰ حضرت مجدِ دِ اعظم امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے اگر چہ یہ بھی قوم اَوس سے تھا اور بعض نے اس کا نام بھی ثعلبہ ابن حاطب کہا۔ مگر وہ بدری خود زمانۂ اقدس حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ اُحد میں شہید ہوئے اور یہ منافق زمانۂ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں مرا۔

(فتاویٰ رضویہ، فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن، ۲۶/ ۳۵۴-۴۵۴)

اور علامہ شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''صحیح یہ ہے کہ (وہ شخص) ثعلبہ بن ابی حاطب ہے جیسا کہ خازن اور اصابہ میں ہے۔ ثعلبہ بن حاطب بن عمرو صحابی رضی اللہ عنہ مخلص تھے جو بدر اور اُحد میں شریک ہوئے اور احد میں شہید ہوئے، اور یہ ثعلبہ بن ابی حاطب خلافت عثمانی میں مرا۔

(فتاوی شارح بخاری، عقائد متعلقہ صحابۂ کرام، ۲/ ۳۴)

اے اللہ پاک ہمیں تیری راہ میں خرچ کرتے رہنے کی توفیق دیتے رہنا آمین یارب العالمین بجاہِ النبی طٰہٰ و یٰسین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

فتاویٰ رضویہ اور فقہی اختلاف

مولانا طارق انور مصباحی

حوادث جدیدہ اور مستند فقہا سے اختلاف کا حکم

چند سالوں سے یہ بات موضوع بحث بنی ہوئی ہے کہ فتاویٰ رضویہ کے فقہی فتاویٰ سے اختلاف کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ہر عالم و مفتی کو معلوم ہے کہ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز اہل نظر فقیہ تھے۔ان کی فقہی تحقیقات سے اختلاف کا حق اہل نظر و متبحر فقیہ کو ہوگا۔ ہر ایک کو اختلاف کی اجازت نہیں ہوگی۔اس طرح اسباب ستہ کے سبب بعض فقہی احکام میں تبدیلی ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی اہل نظر فقیہ کے ذریعہ ہوگی۔واضح رہے کہ ہر فقیہ اہل نظر فقیہ نہیں۔

عہد حاضر میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو،اس پر تمام اکابر اصحاب فتویٰ کے اتفاق کے بعد ہی اسے منظر عام پر لایا جائے۔عدم اتفاق کی صورت میں بحث و مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہو جاتا ہے،نا اتفاقی کو فروغ ملتا ہے،اور خواص و عوام گروہ بندی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔یہ خطرناک صورت حال ہے۔

مستند فقہا سے صرف متبحر فقیہ کو اختلاف کا حق

فقہی فتویٰ سے متعلق فتاویٰ رضویہ سے ایک سوال و جواب مندرجہ ذیل ہے:

سوال:مستند علمائے دین کے فتاویٰ کو جو شخص ہیچ و پوچ سمجھ کر اس پر عمل نہ کرے،اور کہے کہ فتویٰ وہی ہے جو ہمارا دل گواہی دے۔ایسا شخص شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے جواب میں رقم فرمایا:”یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتویٰ کو نہ ماننے کے سبب ضال و گمراہ ہے۔قرآن عظیم نے غیر عالم کے لیے یہ حکم دیا کہ عالم سے پوچھو،نہ یہ کہ جس پر تمہارا دل گواہی دے،عمل کرو۔قال اللہ تعالیٰ:

فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ جاہل کیا اور جاہل کا دل کیا۔(سورۃ النحل، آیت 43)

نعم من کان عالما فقیهامبصرا ماهر امتبحر افهو مامور بقوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: استفت قلبک وان افتاک المفقون"۔

(فتاویٰ رضویہ: جلد نہم: جز دوم: ص ۱۴۰۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

ترجمہ: ہاں جو عالم، صاحب بصیرت ماہر و متبحر فقیہ ہو تو اسے حضور اقدس تاجدار دو جہاں ﷺ کے ارشاد مبارک کا حکم ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ پوچھے، گرچہ مفتیان کرام تمہیں (کوئی دوسرا) فتویٰ دیں۔

منقولہ بالا حکم باب فقہیات کے ظنی واجتہادی مسائل سے متعلق ہے۔ فقہی مسائل میں عوام کو قیل وقال کی اجازت نہیں، بلکہ مستند و معتمد علمائے حق کے بیان کردہ حکم شرعی کو ماننا ہے۔ اس طرح جو متبحر و ماہر فقیہ نہ ہو، اس کو بھی اختلاف کا حق حاصل نہیں۔ اختلاف کا حق اس عالم کو ہے جو صاحب بصیرت اور ماہر و متبحر فقیہ ہو۔ عوام مسلمین فقیہ نہیں اور تمام ناقلین فتویٰ صاحب بصیرت اور ماہر و متبحر فقیہ ہو۔ اگر چہ عوام انہیں عظیم و بے نظیر فقیہ سمجھتے ہوں۔

اگر حضور صدر الشریعہ وصدر الافاضل وملک العلما علیہم الرحمۃ والرضوان نے کسی فقہی مسئلہ میں امام اہل سنت قدس سرہ العزیز سے اختلاف کیا ہو تو ماوشما کو اختلاف کا حق نہیں۔ اختلاف سے پرہیز کیا جائے، اور ملی اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش ہو۔ شرائط و قیود کا ذکر کیے بغیر ہمیشہ یہ تشہیر نہ کی جائے کہ فتاویٰ رضویہ سے اختلاف جائز ہے، ورنہ مفتیان شیر خوار بھی اختلاف کے لیے پر تولنا شروع کر دیں گے، بلکہ بعض لوگ اختلاف کر بھی رہے ہیں۔

(۱) ہر شخص کو معتمد و مستند فقہائے اسلام سے فقہی مسائل میں اختلاف کی اجازت نہیں۔ صرف مجتہد، صاحب نظر فقیہ کو اختلاف کی اجازت نہیں۔ صرف مجتہد، صاحب نظر فقیہ و متبحر فقیہ کو اختلاف کا حق ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذۂ کرام نے فروعی مسائل میں اپنے استاذ یعنی

مجتہد مطلق سے اختلاف کیا۔وہ تلامذۂ کرام مجتہد فی المذہب تھے۔وہ صرف اصول اجتہاد اور قوانین استنباط میں اپنے استاذ یعنی مطلق کے متبع تھے۔فروع مسائل میں وہ اپنے استاذ کے متبع نہیں تھے۔

(۲)اسباب ستہ میں سے کسی سبب کے وجود کے وقت مجتہد اور صاحب نظر فقیہ کو فقہی مسائل میں تبدیلی کا حق ہے۔اس کے کچھ شرائط ہیں۔مقام تفصیل میں تفصیل مرقوم ہے۔

(۳)فقہی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ہر عہد میں صاحب نظر فقیہ ہوتے ہیں لیکن یہ قلیل التعداد ہوتے ہیں۔عہد حاضر میں لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بہت سے مفتیان کرام اہل نظر فقیہ ہیں،حالاں کہ یہ خیال غلط ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کے سبب بعض فقہا اس منزل تک رسائی پاتے ہیں۔ہر کسبی امر سہل الحصول نہیں ہوتا،جیسے ہر تاجر ارب پتی ہو پاتا ہے۔وہبی امور تو فضل الٰہی پر موقوف ہوتے ہیں،جیسے ولایت ونبوت۔

(۴)حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں قریباً بیس صحابہ کرام مجتہد مطلق ہیں۔غیر صحابہ کرام میں مجتہد مطلق کی تعداد پچاس تک بھی نہیں پہنچ پاتی ہے۔اس طرح ہر عہد میں صاحب نظر فقیہ ضرور ہوتے ہیں،لیکن وہ حشرات الارض کی طرح کثیر التعداد نہیں ہوتے۔نقیب اجلاس کسی کو ولی ومجتہد کہہ دے تو اس سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی۔

(۵)اسباب ستہ کے سبب فقہی احکام میں تبدیلی ہوتی ہے،اور صاحب نظر فقفہ کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کب تبدیلی ہوگی،لیکن شرائط وقیود کی وضاحت کے بغیر یہ تشہیر کرتے رہنا غیر مناسب ہے کہ فتاویٰ رضویہ سے اختلاف جائز ہے۔اس نظریہ کی تشہیر کے سبب غیر اہل نظر فقہا اور مفتیان شیر خوار بھی اسباب ستہ کے نام پر فقہی احکام میں اختلاف اور تبدیلی کرنا شروع کردیں گے۔یہ فتنوں کے شیوع کا زمانہ ہے۔دفع بفاسد کی کوشش کی جائے۔

جب اسباب ستہ کے سبب شرعی احکام کی تبدیلی اہل نظر فقیہ کے ساتھ خاص ہے۔اس طرح

فتاویٰ رضویہ سے اختلاف بھی اہل نظر فقیہ و متبحر مفتی کے ساتھ خاص ہے تو اس نظریہ کی عام تبلیغ کی کیا ضرورت ہے اور اصحاب نظر فقہائے اسلام و مفتیان متبحرین کو سب کچھ معلوم ہے، انہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ بوقت ضرورت وہ اپنا کام کریں گے۔

(۶) غیر اجماعی فروع اعتقادیہ یعنی غیر اجماعی ظنی عقائد میں اختلاف کے سبب ضلالت و بدعت کا حکم نافذ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن غیر اجماعی ظنی عقائد میں بھی راجح پہلو کو ترک کر کے مرجوح و شاذ کو اختیار کرنا غلط ہے۔ کوئی ایسی راہ اختیار نہ کی جائے کہ لوگ اعتقادی اختلاف کا دروازہ کھول کر بیٹھ جائیں۔ مفاسد کے سد ذرائع کی کوشش ہونی چاہئے۔

(۷) قطعی مسائل کے صحیح فتاویٰ میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح ظنی مسائل اجماعی ہوں تو اختلاف کی اجازت نہیں۔ غیر اجماعی ظنی و اجتہادی مسائل میں شرائط و قیود کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے۔ ایسا نہیں کہ ہر فقیہ کو ہر قسم کے ظنی مسائل میں اختلاف کا حق حاصل ہے۔ معتمد و مستند فقہا کے غیر اجماعی ظنی فتاویٰ سے شرائط و قیود کے ساتھ اہل نظر فقیہ و متبحر مفتی کو اختلاف کی گنجائش ہے۔ مجتہد مطلق کے ظنی غیر اجماعی فتاویٰ سے صرف مجتہد فی المذہب کو اختلاف کی اجازت ہے۔ اہل نظر فقیہ کو صرف اختلاف صوری کا اذن ہے۔

(۸) فتاویٰ رضویہ کے فقہی فتاویٰ سے امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کی فقہی تحقیقات مراد ہیں۔ ورنہ اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور فقہائے سابقین کے بیان کردہ احکام و تصحیحات و ترجیحات بھی مندرج ہیں۔ فقہائے سابقین میں مختلف درجات کے فقہائے کرام ہیں۔ عہد حاضر میں طبقہ ہفتم کے فقہائے کرام ہیں۔ فن رسم المفتی میں افتا کے قواعد و احکام مندرج ہوتے ہیں، ان پر عمل کیا جائے۔

فتاویٰ رضویہ میں فقہی مسائل کے ساتھ اعتقادی مسائل بھی مرقوم ہیں۔ اعتقادی مسائل

سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔ بہت سے اعتقادی مسائل سے اختلاف وانکار کفر ہے اور بہت سے اعتقادی مسائل سے اختلاف وانکار ضلالت وگمراہی ہے۔

(۹) جب اللہ تعالیٰ کسی فرد بشر کو ہمارا مذہبی قائد ودینی رہنما مقرر فرما دے تو ہمیں ان کی تابعداری کرنی ہوگی، ورنہ ہمیں عرب وعجم سے کچھ لینا دینا نہیں۔ ہم تو صرف رحمت پروردگار اور عطائے شفیع روز شمار عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کے متمنی ومحتاج ہیں اور ہمہ دم ادھر ہی متوجہ ہیں۔ عام افراد انسانی سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ مومنین سے تعلق کا سبب یہ ہے کہ وہ ہمارے رسول وشفیع حضور اقدس تاجدار دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں، پس یہ بالواسطہ تعلق ہے کہ جوان کا ہے، وہ ہمارا ہے۔ جوان کا نہیں، وہ ہمارا نہیں۔ ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے۔

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام لِلّٰہِ الْحَمْد میں دنیا سے مسلمان گیا

بعض فتاویٰ کا انکار کفر

جس فتویٰ میں ضروریات دین کا بیان ہو، اس کا انکار کفر ہے۔ اس فتویٰ کا انکار دراصل اس میں بیان کردہ ضروریات دین کا انکار ہے۔ اگر فتویٰ میں کوئی غلط حکم بیان کیا گیا ہو تو معلوم ہونے پر اس کو غلط قرار دینا لازم ہے۔ ہر فتویٰ کا حکم یکساں نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حسام الحرمین قرآن نہیں ہے کہ اس کا ماننا لازم ہو۔

دراصل حسام الحرمین میں قادیانی اور اشخاص اربعہ کا جو حکم شرعی بیان کیا گیا ہے، اس کا انکار کفر ہے۔ اگر حسام الحرمین کے کسی جملہ میں ہمزۂ استفہامیہ کا استعمال ہوا۔ کسی نے نحو وبلاغت کے اصول وقوانین کے اعتبار سے یہ ثابت کیا کہ یہاں پر ہمزۂ استفہامیہ کی بجائے حرف استفہام ''ہل'' کا استعمال ہونا چاہئے تو اس معترض پر کوئی حکم شرعی نہیں۔ اگر یہی بات قرآن مجید میں نازل ہمزۂ استفہال کے بارے میں کہی تو سخت شرعی حکم وارد ہوگا۔

فتویٰ میں جو شرعی احکام بیان کیے جاتے ہیں، ان احکام کے اعتبار سے فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کا انکار صحیح ہے یا غلط؟ فتاویٰ رضویہ سے ایک سوال و جواب منقولہ ذیل ہے۔ اس میں فتویٰ کی متعدد صورتوں کا ذکر اور اس سے انکار کا شرعی حکم مرقوم ہے۔

مسئلہ: چہ می فرمایند علمائے دین رحمہم اللہ اندریں مسئلہ کہ زید وعمرو ہر دو عالم اند۔ ہر گاہ قطعہ فرائض بعبارت صحیحہ و مسئلہ صریحہ پیش ایشاں وقوع آمد، پس زید بر بنائے نفاق وعداوت دنیاوی گفتہ کہ اکثر جائے فرائض غلط کردہ و دستخط بہ تصحیح مسئلہ آں ممنوع، وعمرو اولاً فرائض موصوفہ بغور نظر دیدہ دستخط براں بر تصحیح مسئلہ آں کردہ اند، باز از زبانی زید غلط عبارتش شنیدہ و دستخط خود از وے منقطع کردہ اند۔ ہر دو عالم موصوف، باوجود یکہ حضرات متدینین ادام اللہ فیوضہم آنرا تحقیق کردہ صحیح فرمودہ اند، عبارتش را مغلطہ گویند، دستخط براں غیر مشروع پندارند، پس دریں واقعہ دماغ وغروری می دانند، کافر گردد یا بارتکاب کبیرہ: بینوا توجروا۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد نہم: جز اول: ص 237، رضا اکیڈمی ممبئی)

ترجمہ: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں (اے علم والو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے) زید اور عمرو دونوں عالم ہیں۔ ان دونوں کے سامنے قطعہ فرائض عبارت صحیحہ اور مسئلہ صریحہ کے ساتھ پیش کیا گیا تو زید نے نفاق اور دنیوی عدوات کی بنا پر کہہ دیا کہ فرائض کے زیادہ تر مقامات میں غلطی کی گئی ہے، اور اس مسئلہ کی صحت پر دستخط کرنا جائز نہیں۔

عمرو نے پہلے فرائض موصوفہ کو غور سے دیکھ کر اس مسئلہ کی صحت پر دستخط کر دیا، پھر اس نے زید کی زبانی اس کی غلط بات سنی تو اس سے اپنا دستخط مٹا دیا۔

باوجود یہ کہ دین دار حضرات (اللہ تعالیٰ ان کے فیوض و برکات ہمیشہ جاری رکھے) نے اس کی تحقیق کے بعد اس کی تصحیح فرمائی ہے، مذکورہ دونوں عالم اس فتویٰ کی عبارت کو غلط بتاتے ہیں، اس پر دستخط کو ناجائز کہتے ہیں، پس کیا اس واقعہ میں وہ لوگ بدخیالی اور تکبر کی طرف منسوب ہوں

گے؟ اور جو لوگ بدخیالی اور تکبر کی بنا پر صحیح اور جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام جانیں، وہ کافر قرار پائیں گے، یا کبیرہ گناہ کے مرتکب؟ بیان فرما کر اجر وثواب کے مستحق ہوں۔

الجواب: دریں سوال کمال اجمال، بلکہ اہمال بکار بردہ شد۔ می بایست نقل آن فتویٰ فرستند ے، تا دیدہ شود کہ آیا فی الواقع غلط است وزید بخطائے او پے بردہ، وباز عمرو نیز آگاہ ومتنبہ شدہ تصحیح خود از وے جدا کردہ۔ دریں صورت ہر دو بر صواب باشند، یا حقیقۃً صحیح ست وآں گاہ دیدنی ست کہ مسئلہ ازاں باب ست کہ خطا در فہم او بایناں عارض شود، ودریں صورت درآں چہ کردند، معذور باشند، یا آں چناں نیست کہ بالقصد مکابرہ حق کردہ اند، آں گاہ لاجرم آثم وبزہ کار شوند، فاما کفر نبود، مگر آں کہ مسئلہ از ضروریات دین باشد کہ انکار، بلکہ شک دراں کفر است۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ: جلد نہم، جز اول، ص 237، رضا اکیڈمی ممبئی)، (فتاویٰ رضویہ: جلد 21، ص 136، جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: اس سوال میں مکمل اجمال، بلکہ اہمال (مہمل کر دینا) سے کام لیا گیا ہے۔ مناسب تھا کہ اس فتویٰ کی نقل بھیجتے، تا کہ یہ دیکھا جاتا کہ:

(۱) آیا واقعی وہ غلط ہے اور زید اس کی غلطی سے آگاہ ہو کر، اور پھر عمرو بھی اس سے آگاہ اور ہوشیار ہو کر اس سے اپنی تصحیح الگ کر لی، پس اس صورت میں دونوں راہ صواب پر ہیں۔

(۲) یا درحقیقت وہ صحیح ہے:

(الف) پھر یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ اس باب سے ہے کہ ان دونوں مخالف کے سمجھنے میں غلطی لاحق ہو گئی۔ اس صورت میں وہ اپنے فعل میں معذور متصور ہوں گے۔

(ب) یا مسئلہ ایسا نہیں ہے، بلکہ انھوں نے دانستہ حق کا مقابلہ کیا ہے، اس صورت میں وہ ضرور گناہ کے مرتکب ہوئے، لیکن کفر پھر بھی نہیں ہوگا۔

(ج) مگر یہ کہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو کہ اس کا انکار، بلکہ اس میں شک کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ

کی پناہ، اور اللہ سب سے زیادہ علم والا ہے۔

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ کی متعدد صورتیں بیان فرمائیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ فتویٰ میں مسئلہ ہی غلط بیان کیا گیا ہو، اور زید و عمر و غلطی پر مطلع ہو کر اس کی تصحیح و تصدیق نہ کیے تو ان کو یہی کرنے کا حکم ہے۔ غلط مسئلہ کی تائید جرم ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسئلہ صحیح ہو۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے سمجھنے میں لغزش ہوسکتی ہے یا نہیں۔ ظنی مسائل میں تعارض دلائل یا کسی اور سبب سے فہم کی لغزش ہوسکتی ہے۔ قطعی مسائل میں فہم کی لغزش نہیں ہوسکتی، کیوں کہ اس کی دلیل قطعی ہوتی ہے، مثلاً کسی نے کہا کہ اللہ ایک نہیں، بلکہ دو ہے، پس یہ قول قطعی طور پر غلط ہے۔ ایسے قطعی مسائل میں اہل حق کو شبہہ نہیں ہوسکتا۔ شیطان شبہہ ڈالے تو دفع شبہہ کی کوشش لازم ہے۔

ظنی مسائل میں بھی اسی وقت تک معذور ہے جب تک وہ اپنی لغزش پر مطلع نہ ہو سکے۔ لغزش کے علم وادراک کے بعد معذور نہیں، خواہ خود غور وفکر کے سبب اپنی لغزش پر مطلع ہو، یا کسی کے بتانے سے لغزش کا علم ہو۔ ہر عالم کو اپنی تحریر و تقریر پر خود نظر ثانی کرنی چاہئے۔

مفتی کی لغزش سے متعلق فتاویٰ رضویہ سے دو سوال و جواب منقولہ ذیل ہیں۔

(۱) سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے یہاں مفتی فتویٰ دینے کا ذمہ دار ہوگا، یا وہ بھی جو فتویٰ پر عمل کرے؟ بینوا توجروا

الجواب: اگر وہ مفتی قابل فتویٰ نہیں، یا عامہ مسلمین شہر دربارۂ فتویٰ اس پر اعتماد نہیں کرتے، یا فتویٰ ایسا غلط جس کی صریح غلطی مستفتی پر ظاہر ہے، یا عالم معتمد و مستند نے اس کے اغلاط ظاہر کر دیئے، یا فتویٰ واقعات پر نہیں ہے، اور اس میں مفتی نے اصل واقعہ چھپایا اور غلط رخ دکھایا تو مفتی واس پر عمل کرنے والا دونوں ماخوذ گرفتار ہیں، ورنہ جب تک حق واضح نہ ہو، جاہل پر وبال نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ: جلد نہم، جز دوم، ص284، رضا اکیڈمی ممبئی)

جب معتمد و مستند عالم فتویٰ کے اغلاط ظاہر کر دے تو مفتی کا اسی پر قائم رہنا اور رجوع نہ کرنا اور کسی کا اس فتویٰ پر عمل کرنا گناہ ہے۔ جاہل نے غلطی ظاہر ہونے سے قبل عمل کیا تو گناہ نہیں۔

(۲) سوال: جو صاحب جھوٹا مسئلہ بیان کریں، ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت شدید کبیرہ ہے۔ اگر قصداً ہے تو شریعت پر افترا ہے، اور شریعت پر افتراء اللہ عزوجل پر افترا ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

إِنَّ ٱلَّذِينَ يَفۡتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُونَ

وہ جو اللہ پر جھوٹا افترا کرتے ہیں، فلاح نہ پائیں گے اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتویٰ دے۔ (سورۂ یونس، آیت69)

حدیث میں ہے۔ نبی فرماتے ہیں: مَنْ اَفْتٰی بِغَیْرِ عِلْمٍ لَعَنَتْهُ مَلٰٓئِكَةُ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

ترجمہ: جو بغیر علم فتویٰ دے، اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہواً واقع ہو، اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی، اور غلط جواب صادر ہوا تو مواخذہ نہیں، مگر فرض ہے کہ مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے۔ اس پر اصرار کرے گا تو پہلی شق یعنی افترا میں آئے گا۔ (فتاویٰ رضویہ: جلد نہم، جز دوم، ص275، رضا اکیڈمی ممبئی)

منقولہ بالا فتویٰ سے واضح ہو گیا کہ لغزش ظاہر ہوتے ہی اس سے رجوع کرے۔ صدر الشریعہ بخاری نے رقم فرمایا:

والمخطی فی الاجتھا لا یعاقب. الا ان یکون طریق الصواب بینا

(التوضیح علی التنقیح، جلد دوم، ص112، مکتبہ شاملہ)

ترجمہ: اجتہاد میں خطا کر جانے والا مجتہد قابل عذاب نہیں، مگر یہ کہ صحیح طریقہ واضح ہو۔

اہل نظر فقیہ اور اسباب ستہ کے سبب حکم کی تبدیلی

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا: (**قد عد فی العقود مسائل کثیرہ من ھذا الجنس ثم احال بیان کثیر اُخر علی الاشباہ. ثم قال: (فھذہ) کلھا قد تغیرت احکامھا لتغیر الزمان اما للضرورۃ واما للعرف واما لقرائن الاحوال. قال: وکل ذلک غیر خارج عن المذھب لان صاحب المذھب لوکان فی ھذا الزمان لقال بھا. ولو حدث ھذا التغیر فی زمانہ لم ینص علی خلافھا. قال: وھذا الذی جرأ المجتھدین فی المذھب و اھل النظر الصحیح من المتأخرین علی مخالفۃ المنصوص علیہ من صاحب المذھب فی کتب ظاھر الروایۃ بناء علیٰ ماکان فی زمنہ کما تصریحھم بہ: الخ**)

عقود میں ایسے بہت سے مسائل شمار کرائے اور بکثرت دیگر مسائل کے لیے اشباہ کا حوالہ دیا، پھر یہ لکھا کہ یہ سارے مسائل ایسے ہیں جن کے احکام تغیر زمان کی وجہ سے بدل گئے یا تو ضرورت کے تحت یا عرف کی وجہ سے یا قرائن احوال کے سبب فرمایا: اور یہ سب مذہب سے باہر نہیں، اس لیے کے صاحب مذہب اگر اس دور میں ہوتے تو ان ہی کے قائل ہوتے، اور اگر یہ تبدیلی ان کے وقت میں رونما ہوتی تو ان احکام کے برخلاف صراحت نہ فرماتے۔ فرمایا، اسی بات نے حضرات مجتہدین فی المذہب اور متاخرین میں سے اصحاب نظر صحیح کے اندر یہ جرات پیدا کی کہ وہ اس حکم کی مخالفت کریں جس کی تصریح خود صاحب مذہب سے کتب ظاہر الروایہ میں موجود ہے، یہ تصریح ان کے زمانے کے حالات کی بنیاد پر ہے، جیسا کہ اس سے متعلق ان کی تصریح گزر چکی ہے: الخ (فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص127، جامعہ نظامیہ لاہور)

منقولہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ اسباب ستہ کے سبب مسائل کی تبدیلی مجتہد فی المذہب

اور اصحاب نظر فقہائے کرام کے ذریعہ عمل میں آئے گی۔ ہر فقیہ کو اس کا اختیار حاصل نہیں۔ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز متبحر مفتی اور صاحب نظر فقیہ تھے۔ فقہی تحقیقات میں ان سے اختلاف کا حق صاحب نظر و متبحر فقیہ کو ہو گا۔ ہر شخص کو اختلاف کا حق حاصل نہیں۔

اسباب ستہ اور قول مجتہد سے ظاہری اختلاف

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رقم فرمایا:(اقول و با للّٰہ التوفیق: القول قولان ، صوری و ضروری۔ فالصوری هو المنقول و الضروری ما لم یقله القا ئد نصا بالخصوص لکنه قائل به فی ضمن العموم الحاکم ضرورة بان لو تکلم فی هذا الخصوص لتکلم کذا۔ وربما یخالف الحکم الضروری الحکم الصوری و ح یقضی علیه الضروری حتی ان الا کذ بالصوری یعد مخالفة للقائل و العدول عنه الی الضروری موافقة او اتباعا له۔ کأن کان زید صالحا فامر عمرو خدامه با کرامه نصا جها را و کرر ذلک علیهم مرارا ــ وقد کان قال لهم ایا کم ان تکر موا فاسقا ابدا ــ فبعد زمان فسق زید علا نیة فان اکرمه بعده خدامه عملا بنصه المکرر المقرر کانو ا عاصین وان ترکو ا اکرامه کانو ا مطیعین.

ومثل ذلک یقع فی اقوال الائمة اما لحد وث ضرورة او حرج او عرف او تعامل او مصلحة مهمة تُجلب او مفسدة ملمة تُسلب ــ وذلک لان استشناء الضرورات ودفع الحرج و مراعا ة المصالح الد ینیة الخالیة عن مفسدة ـتر بو علیها ودرء المفاسد والا خذ بالعرف و العمل بالتعامل کل ذلک قواعد کلیة معلومة من الشرع ـــ لیس احد من الا ئمة الا مائلا الیها و قائلا بها و معو لا علیها فاذا کان فی مسألة نص الامام ثم حدث احد تلک المغیرات علمنا قطعا

ان لو حدث علیٰ عهده لكان قوله علیٰ مقتضا ه لا علی خلافه و رده ۔ فالعمل بقوله الضروری الغير المنقول عنه هو العمل بقوله ۔ لا الجمود علی المأ ثو ر من لفظه) (فتاویٰ رضویہ: جلد اول، ص127-125، جامعہ نظامیہ لاہور)

ترجمہ: قول کی دو قسمیں ہیں: (1) قول صوری (2) قول ضروری۔ قول صوری وہ جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا، اور قول ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو، مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا۔ کبھی حکم ضروری حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح و حاکم ہوتا ہے، یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے مثلاً زید نیک اور صالح تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحۃً علانیۃً زید کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار ان کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی کی، اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خدام کو ہمیشہ کیلئے کسی فاسق کی تکریم سے ممانعت بھی کر چکا تھا، پھر کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہو گیا، اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے، اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔

اسی طرح اقوال ائمہ میں بھی ہوتا ہے (کہ ان کے حکم صوری کے خلاف کوئی حکم ضروری پا لیا جاتا ہے) اس کے درج ذیل اسباب ہیں: (۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت جسکی تحصیل مطلوب ہے (۶) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہے، یہ اس لئے کہ صورتوں کا استثنا، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی رعایت جو کسی ایسی خرابی سے خالی ہوں جو ان سے بڑھی ہوئی ہے، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا، اور تعامل پر کاربند ہونا۔ یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں، ہر امام ان کی جانب مائل، ان کا قائل اور ان پر

اعتماد کرنے والا ہی ہے۔

اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم رہا ہو، پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں قطعاً یہ یقین ہوگا کہ یہ امر اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتا تو ان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا، اسے رد نہ کرتا اور اس کے برخلاف نہ ہوتا۔ ایسی صورت میں ان سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے، ان سے نقل شدہ الفاظ پر جم جانا ان کی پیروی نہیں۔

حاشیہ میں مرقوم ہے: ''چھ باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے، لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں: ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہوتا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص126، جامعہ نظامیہ لاہور)

ہر ملک میں اہل نظر فقیہ کا وجود لازم نہیں

جب امام اہل سنت قدس سرہ العزیز حج و زیارت کے واسطے 1323 ہجری مطابق 1906ء میں مکہ معظّمہ حاضر ہوئے تو وہاں کے علمائے کرام نے کرنسی نوٹ سے متعلق سوال نامہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، تاکہ آپ جواب رقم فرمائیں۔ مفتیان حرم شریف سے یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا تھا۔ یہ ایک نو پید مسئلہ تھا۔ اس کا صریح حکم فقہی کتابوں میں مرقوم نہ تھا۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے بیان فرمایا: ''مولانا عبد اللہ میر داد و مولانا حامد احمد محمد جداوی نے نوٹ کے بارے میں فقیر سے استفتا کیا تھا جس میں بارہ سوال تھے اور میں نے باکمال استعجال اس کے جواب میں رسالہ ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم'' تصنیف کیا تھا۔ وہ تبییض کے لیے حرم شریف کے کتب خانہ میں سید مصطفیٰ برادر خورد مولانا سید اسماعیل کے پاس تھا

کہ نہایت جمیل الخط ہیں۔ زمانہ سابق میں جب میرے استاذ الاستاذ حضرت مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ مفتی حنفیہ تھے، ان سے نوٹ کے بارے میں سوال ہوا تھا اور جواب تحریر فرمایا تھا کہ علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزئیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ ایک دن میں کتب خانہ میں جاتا اور ایک شاندار صاحب کو بیٹھے دیکھتا ہوں کہ میرا رسالہ: کفل الفقیہ مطالعہ کر رہے ہیں۔ جب اس مقام پر پہنچے جہاں میں نے فتح القدیر سے یہ عبارت نقل کی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ایک کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو جائز ہے، مکروہ نہیں، پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے: ''این جمال بن عبداللہ من ہذا النص الصریح'' حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے''۔

(الملفوظ، جلد دوم، ص161-160، مکتبہ قادریہ سدھارتھ نگر یوپی)

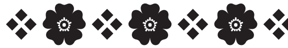
کفل الفقیہ الفاہیم کا مطالعہ کرنے والے یہ بزرگ اس وقت کے مفتی احناف شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس قدس سرہ العزیز تھے۔ مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہر ملک میں اہل نظر فقیہ نہیں ہوتے، ورنہ علمائے حرم شریف ہی سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا۔ کسی بیرونی عالم سے استفتا کی ضرورت در پیش نہ ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

رسالہ حاضرہ کے باب اول، دوم وسوم میں فقہائے کرام کی متعدد عبارتیں منقول ہیں، ان میں مذکور ہے کہ حوادث جدیدہ کا حل اہل نظر فقیہ کریں گے۔ ان کی تعبیر اہل رائے، اہل اجتہاد، وجوہ فقہ کے عارف ودیگر الفاظ سے کی گئی ہے۔ مسائل جدیدہ کو حل کرنا فقہائے ناقلین کا منصب نہیں۔ عہد حاضر میں مسائل جدیدہ کے حل کے لئے فقہی سیمیناروں کا انعقاد عمدہ کارنامہ ہے، اس میں بہت سے فقہا شریک ہو کر اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔ مسائل جدیدہ کے حل کے ساتھ باہمی اتحاد واتفاق کی راہیں بھی ہموار کی جائیں اور یکے بعد دیگرے اختلافی مسائل کو حل کرنے کی کوشش ہو۔ ہم اور آپ آج یا کل چل بسیں گے، لیکن دین ومذہب اپنی چمک دمک اور رعنایوں

کے ساتھ مدت بقائے اسلام تک باقی رہے گا۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائے گا
ہم صفیرو! باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائے گا

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم



مسلک اعلیٰ حضرت اور فقہی مسائل

مولانا طارق انور مصباحی

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الاعلیٰ وآلہ واصحابہ اجمعین

سوال: ''مسلک اعلیٰ حضرت'' میں صرف عقائد شامل ہیں یا عقائد اور فقہی مسائل دونوں شامل ہیں؟

جواب: اس بارے میں ایک معتدل نظریہ مندرجہ ذیل ہے:

(1) اگر مسلک اعلیٰ حضرت میں صرف عقائد اہل سنت کو شامل مانا جائے تو بھی فقہی مسائل اس میں شامل ہونگے، کیوں کہ باب عقائد کا مسئلہ ہے کہ جو بد مذہب کی تقلید واتباع میں شعار بد مذہبیت کو اختیار کرے، وہ گمراہ ہے۔ تقلید نہ کرنا غیر مقلدین کا شعار ہے، پس جو شخص تقلید شخصی کا منکر ہو، وہ بد مذہب وگمراہ واہل سنت وجماعت سے خارج ہے۔

صدی سوم کے بعد چار مذاہب فقہیہ پر امت مسلمہ کا اجماع ہو گیا۔ کسی ایک امام مجتہد کی تقلید یعنی تقلید شخصی واجب قرار پائی، تا کہ تلفیق (ا) واتباع نفس نہ ہو، اور جس امر پر اہل سنت وجماعت

(ا) تلفیق کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں مختلف مسالک کی آراء کو قبول کیا جائے اور ایسی صورت ہو جائے کہ کہنا مشکل ہو کہ یہ کس مسلک کے مطابق ہے۔

کا اجماع ہو، اس اجماعی امر کا انکار ضلالت و گمراہی ہے، لہٰذا اس اجماع کے سبب بھی تقلید شخصی کا منکر گمراہ و بدمذہب اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ-۱۱۱۴ھ) نے تحریر فرمایا: **بعد المأ تین ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم۔ وقَلَّ من كان لا يعتمد علىٰ مذهب مجتهد بعينه و كان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان** (الانصاف، ص19، استنبول ترکی)

ترجمہ: دوصدی بعد مسلمانوں میں خاص مجتہدین کے مذہب کو اختیار کرنے کا طریقہ ظاہر ہوا، اور کم ہی کوئی ہوگا جو کسی خاص مجتہد کے مذہب پر عمل نہ کرتا ہو، اور خاص مجتہد کے مذہب کو اختیار کرنا اس زمانہ میں واجب تھا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ عثمانی مظہری (۱۲۲۵ھ) نے رقم فرمایا: **ان اهل السنة و الجماعة قد افترقت بعد القرون الثلٰثة علىٰ اربعة مذاهب۔ ولم يبق فى الفروع مذهب سور المذاهب الا ربعة۔۔ فقد انعقد الا جماع المركب علىٰ بطلان قول يخالف كلهم** (التفسیر المظہری، جلداول، ص518، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ترجمہ: اہل سنت و جماعت تین صدیوں بعد چار مذاہب میں منقسم ہو گئے اور فرعیات میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب باقی نہ رہا، پس اجماع مرکب منعقد ہو گیا اس قول کے بطلان پر جو مذاہب اربعہ کے خلاف ہو۔

صدی سوم کے بعد حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک کی تقلید یعنی تقلید شخصی پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہو گیا۔ تقلید شخصی یہ ہے کہ باب فقہیات کے ظنی واجتہادی مسائل میں حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام مجتہد کے بیان کردہ فقہی مسائل پر عمل کیا جائے، اور تلفیق سے احتراز کیا جائے، تاکہ اتباع نفس کی صورت ختم ہو جائے۔ تلفیق یہ ہے کہ بعض

مسائل میں ایک امام مجتہد کی پیروی کرے، پھر بعض دیگر مسائل میں دوسرے امام مجتہد کی پیروی کرے۔ایسی صورت میں لوگ اپنی سہولت کے اعتبار سے فقہی مسائل پر عمل کریں گے، پس اتباع شریعت کے بجائے اتباع نفس کی صورت پیدا ہوجائے گی۔حاجت وضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں۔

جب تقلید شخصی کے انکار کے سبب ضلالت وگمراہی کا حکم نافذ ہوتا ہے تو تقلید شخصی کے وجوب کو ماننا باب عقائد میں شامل و داخل ہوگا، کیوں کہ فقہ میں عملی احکام کا بیان ہوتا ہے۔اعتقادی احکام کا تعلق باب عقائد سے ہے، نیز تقلید شخصی یعنی فقہی فروعی مسائل میں کسی ایک امام مجتہد کے بیان کردہ مسائل پر عمل کا مسئلہ شعار اہل سنت میں شامل ہے اور شعار اہل سنت کا شمار باب اعتقادیات میں ہوتا ہے، پس حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام معین کے اجتہادی مسائل پر عمل کا مسئلہ شعار اہل سنت ہونے کی حیثیت سے باب اعتقادیات میں داخل ہوگیا۔اہل سنت و جماعت کی تعریف میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ جو اشعری یا ماتریدی ہو، اور حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام معین کا مقلد ہو۔جو غیر مقلد تمام عقائد اہل سنت کو مانتا ہو، وہ بھی سنی نہیں ہے، اسی طرح جو تقلید شخصی کو مانے اور کسی عقیدۂ اہل سنت کا انکار کرے، وہ بھی سنی نہیں، جیسے عہد ماضی کے معتزلہ جو فقہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے۔ان کو حنفی لی کہا جاتا تھا۔

(2) اگر مسلک اعلیٰ حضرت میں فقہی مسائل شامل مانے جائیں تو بھی وہی مفہوم ہوگا کہ اہل سنت و جماعت کے عقائد کو تسلیم کیا جائے اور حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام مجتہد کے بیان کردہ فقہی مسائل پر عمل کیا جائے۔

(3) اگر فقہی مسائل سے خاص اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے بیان کردہ فقہی مسائل مراد

لیے جائیں تو بھی مذکورہ بالا مفہوم ہی ثابت ہوگا۔ تینوں صورت میں مفہوم ایک ہی رہے گا۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(الف) مذہب اہل سنت وجماعت کا شعار مذہبی ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام معین کی تقلید کی جائے۔ اسی کو تقلید شخصی کہا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مسائل وفتاویٰ میں بھی یہی ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک امام معین کی تقلید کی جائے۔ امام اہل سنت قدس سرہ العزیز نے رسالہ ''النہی الاکید'' میں تقلید شخصی کی تفصیل رقم فرمائی ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی تقلید شخصی کو شعار اہل سنت مانتے ہیں، پس ہر سنی صحیح العقیدہ مسلک اعلیٰ حضرت پر ہے، خواہ وہ حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی۔ وہ مسلک اعلیٰ حضرت کا متبع و پیروکار ہے، کیونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں یہ موجود ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی معین امام کی تقلید کی جائے۔ آپ نے کسی ایک امام مجتہد کی تخصیص نہیں فرمائی کہ حضرات ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے صرف فلاں امام کی تقلید کی جائے۔ کسی ایک امام معین کی تخصیص جائز بھی نہیں۔ امت مسلمہ کا اجماع چار ائمہ مجتہدین کی تقلید پر ہے کسی ایک امام معین کی تخصیص کردینا اور دیگر ائمہ ثلاثہ کی تقلید کو خارج کردینا اجماع امت کے خلاف ہے۔

(ب) اہل سنت وجماعت کے مذاہب فقہیہ کا مسئلہ ہے کہ مجتہد مطلق اصول وفروع میں کسی دوسرے مجتہد مطلق کی تقلید نہیں کریں گے۔ مجتہد فی المذہب اصول میں مجتہد مطلق کی پیروی کریں گے اور فروع میں اپنے اجتہادی مسائل پر عمل کریں گے، اسی لیے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مجتہد فی المذہب تلامذۂ کرام کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف ہوئے، اور وہی

تلامذۂ کرام اصول استنباط وقواعد اجتہاد میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے ہیں اور سب حنفی شمار ہوتے ہیں۔

مذہب حنفی کا فقہی جزئیہ ہے کہ صاحب نظر فقیہ غیر منصوص مسائل (حوادث جدیدہ) میں اپنی تحقیق پر عمل کرے۔اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فقہی مسلک ہے۔فتاویٰ رضویہ (جلد 18،ص 489-501، جامعہ نظامیہ لاہور) میں تفصیل مرقوم ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جن بعض تلامذۂ کرام نے غیر منصوص مسائل میں اپنی فقہی تحقیق پر عمل کیا، وہ بھی مسلک اعلیٰ حضرت کے متبع ہیں، کیوں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی تعلیمات میں یہ موجود ہے کہ صاحب نظر فقیہ اپنی تحقیق پر عمل کرے۔

ہر فقیہ، صاحب نظر فقیہ نہیں۔علم فقہ سے مشغولیت رکھنے والا ہر شخص حوادث جدیدہ کے حل کے لیے قدم نہ بڑھائے۔امت مسلمہ کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے عہد مجتہدین کے بعد بھی ہر عہد میں اللہ تعالیٰ بعض فقہائے کرام کو یہ رتبہ عطا فرماتا ہے کہ وہ مسائل حاضرہ کا حل پیش کر سکے۔ عہد حاضر میں فقہی مجالس کا قیام انتہائی قابل تحسین کارنامہ ہے۔فقہی سیمیناروں میں ملک بھر کے فقہائے کرام باہم تحقیقات کے ذریعہ جدید مسائل کا حل پیش فرماتے ہیں۔ **فجزاهم اللّٰه تعالیٰ فی الدارین خیر الجزاء (آمین)**

الحاصل کوئی بھی حنفی و مالکی، شافعی وحنبلی ''مسلک اعلیٰ حضرت'' سے خارج نہیں۔اسی طرح اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز سے تحقیقی اختلاف کرنے والے صاحب نظر و متبحر فقیہ بھی مسلک اعلیٰ حضرت کے متبع و پیروکار مانے جائیں گے، جیسے مجتہد مطلق کے مجتہد فی المذہب تلامذہ فروعی امور میں اپنے مجتہد مطلق سے اجتہادی اختلاف کے باوجود ان کے مقلد مانے جاتے ہیں۔مذہب حنفی میں حضرت امام ابو یوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر و دیگر مجتہد فی المذہب تلامذۂ

کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حنفی تسلیم کیے جاتے ہیں، حالانکہ متعدد اجتہادی مسائل میں ان نفوس قدسیہ کو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہے۔

قطعی مسائل کے صحیح فتاویٰ میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں۔اسی طرح ظنی مسائل اجماعی ہوں تو اختلاف کی اجازت نہیں۔ غیر اجماعی ظنی و اجتہادی مسائل میں شرائط و قیود کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے۔ایسا نہیں کہ ہر فقیہ کو ہر قسم کے ظنی مسائل میں اختلاف کا حق حاصل ہے۔ معتمد و مستند فقہا کے غیر اجماعی ظنی فتاویٰ سے شرائط و قیود کے ساتھ اہل نظر فقیہ و متبحر مفتی کو اختلاف کی گنجائش ہے۔ مجتہد مطلق کے ظنی غیر اجماعی فتاویٰ سے صرف مجتہد فی المذہب کو اختلاف کی اجازت ہے۔اہل نظر فقیہ کو صرف اختلاف صوری کی اجازت ہے۔

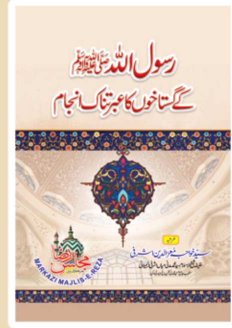
وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وآلہ العظیم

30 جمادی الآخرہ 1444ھ مطابق 23 جنوری 2023 بروز دوشنبہ

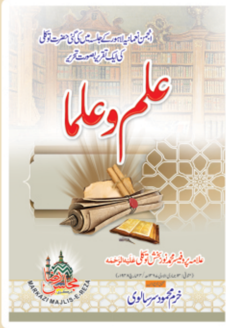
وضاحت: رسالہ حاضرہ ہمارے رسالہ ''فقیہ اور اہل نظر فقیہ'' کے مقدمہ و خاتمہ کا مجموعہ ہے۔

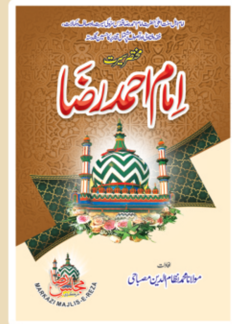


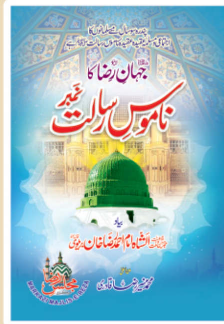
قابلِ مطالعہ کتابیں

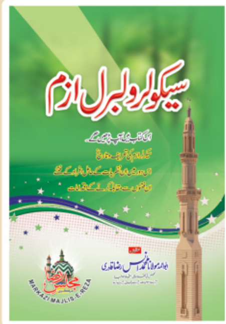




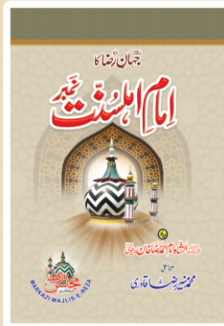


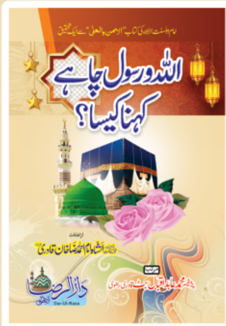












مسلم کتابوی
داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
042-37225605
Email:muslimkitabevi@gmail.com